تعمیر سیرت کے لوازم

نعیم صدیقی

ادارہ مطبوعات طلبہ
ا۔اے: ذیلدار پارک اچھرہ، لاہور فون 042-37428307

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تعمیر سیرت کے لوازم
مصنف	:	نعیم صدیقی
ناشر	:	ضیاءالدین (مینیجنگ ڈائریکٹر)
اہتمام	:	ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور
مطبع	:	قاسم پرنٹرز
کمپوزنگ	:	قاسم گرافکس لاہور
اشاعت	:	مئی 2016ء
تعداد	:	3000
قیمت	:	-/20 روپے

ادارہ مطبوعات طلبہ

1-اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور 042-37428307

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی بات:

خدا کا بڑا احسان ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں اور اسلام کو خدا کا عطا کردہ دین بھی مانتے ہیں، صرف یہی بات کہ یہ خدا کا بھیجا ہوا دین ہے اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے ہم جانتے ہیں کہ انسان اجتماعیت پسند ہے۔ یہ معقولہ کہ اتحاد و اتفاق میں برکت ہے ہم اکثر سنتے رہتے ہیں اور عملاً اس کے مظاہرے بھی دیکھتے ہیں۔

اسلام نے فطرت انسانی کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے جہاں اور ہدایات دی ہیں۔ وہاں جماعت کا التزام صرف تمدنی و معاشرتی ضروریات کی بنا پر نہیں بلکہ دینی اور شرعی مصالح کے پیش نظر لازمی قرار دیا گیا ہے۔

اسلام ایک انقلابی تحریک ہے، اس کا نام صدق دل سے لیتے ہی مصائب و مشکلات انسان کو گھیر لیتی ہیں ہر ہر لمحے اور موقع پر ایک سخت امتحان کی سی کیفیت ہوتی ہے۔ اس میدان میں وہی کامیاب ہوسکتا ہے۔ جو خالق کائنات کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق اپنی تحریکی زندگی کو بسر کرے اور ہر آن خدا سے مدد و اعانت طلب کرتا رہے۔

جناب نعیم صدیقی کا یہ کتابچہ معمولی سی رد و بدل کے بعد بالخصوص ان طلبہ کے لیے شائع کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کا نصب العین رضائے الٰہی کا حصول قرار دیا ہے۔ تا کہ اس کی روشنی میں وہ اپنی اجتماعی جدوجہد کا جائزہ لے سکیں اور اپنی زندگی میں جس پہلو سے بھی...... کمی یا کوٹ پائیں اس کو فوری طور پر دور کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ تحریک میں رہتے ہوئے معمولی سی غلطی اور کوتاہی نہ صرف کارکن کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ بلکہ پوری تحریک کو خطرے میں ڈال سکتی ہے اور پھر جس عظیم ذمہ داری کا بار ہمارے کندھوں پر ہے اس کا حق بھی ایسی صورت میں ہی ادا ہوسکتا ہے کہ ہم ہر آن اپنی فکر رکھیں۔

ہمیں امید ہے کہ اس کتابچہ کے مطالعہ سے تعمیر سیرت کے وہ اہم لواز قارئین کے سامنے آئیں گے جو انہیں اپنی زندگی کی تعمیر رضائے الٰہی کے مطابق کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

قاعدے کی بات:

قاعدے کی بات ہے کہ انسانی زندگی کی سرگرمیاں جتنی اہم اور وسیع الاثر ہوتی ہیں شیاطین جن وانس کی ان میں دخل اندازیاں بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہیں۔ ہمارا موجودہ دور اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ایک طرف مغرب کی مادہ پرستانہ اور خودغرضانہ تہذیب ہماری قوم کے اخلاق کی گراوٹ کو اس دیر لا چکی ہے کہ اب بظاہر کسی خیر اور بھلائی کی توقع نظر نہیں آتی اور دوسری طرف اشتراکیت زدہ ملحدانہ خیالات ہیں جو ہماری قوم کے بنیادی عقائد اور ایمانیات میں بھی شک وتردو اور شبہات پیدا کر کے اس کا اسلام سے جو محبت اور عقیدت کا تعلق رہ گیا ہے اس کو بھی ختم کر دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہی نقشہ معلوم ہوتا ہے جس کا چیلنج شر وفساد کے سپہ سالار (شیاطین) نے ان الفاظ میں دیا تھا کہ میں (حملہ کرنے کے لیے) ان (انسانوں) کے سامنے سے آؤں گا، ان کے پیچھے سے آؤں گا۔ ان کے دائیں سے آؤں گا اور انکے بائیں سے آؤں گا۔

ان حالات میں ہمارے بہت سے بہی خواہ دنیا سے الگ تھلگ رہ کر بس اپنے آپ ہی کو مسلمان رکھنے کی کوشش کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ فی الواقع ان حالات کے درمیان رہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ عام حالات میں اخلاق کا پابند رہنا ہر بھلے آدمی کا شیوہ ہوتا ہے۔ لیکن بداخلاقی کے طوفان میں گھر کر اعلیٰ اخلاقی قدروں پر ڈٹ کر کھڑے رہنا کوئی آسان کام نہیں۔

لیکن ہمارے خیال میں یہ پرلے درجے کی خودغرضی ہوگی کہ کچھ لوگ وبا زدہ فضاؤں سے الگ بیٹھ کر اپنی صحتوں کو بنانے میں لگے رہیں............کو اس بات کی کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ اخلاقی موت کا بازار اطمینان سے گرم کریں۔ ہمای نظر میں جس طرح ایسے قیمتی فانوس اور سنہری شمعوں کا عدم ووجود برابر ہے۔ جو کسی مزار کے پاس بے مصرف شعاعیں بکھیر رہا ہو۔ اور اس کے پاس کے بیابان میں انسانی زندگی کے قافلے بھٹک بھٹک کر اور ٹھوکریں کھا کھا کر رہزنوں کا شکار ہو رہے ہوں۔ بالکل اسی طرح وہ ایمان واسلام اور تقویٰ قلب وذہن کے لیے محض ایک

سامان زینت ہے جو اردگرد کے ماحول کو روشن کرنے کے لیے میدان عمل میں آنے کے بجائے میں مسجدوں میں مخالف طاقتوں کے خوف کی وجہ سے پناہ لیے پڑا رہتا ہے۔ اخلاق کا وہ سرمایہ جسے ہمیشہ نقصان کے اندیشے کے پیش نظر تجویوں میں مقفل رکھا جائے اور جو ہمیشہ غیر پیدا آور (Un Productive) رہے۔ اجتماعی زندگی کے لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ ایک مسلمان مرد اور مسلمان جماعت کے پاس اگر کچھ بھی سرمایہ اخلاق اور ایمان ہو تو اسے زندگی کی مارکیٹ میں گردش (Rotation) کے لیے چھوڑ دینا چاہیے۔ پھر اگر صاحبسر مایہ میں صلاحیت ہوگی تو اس کی پونجی منافع لے کر لوٹے گی اگر نا اہل ہو تو پھر منافع کیسا۔ اصل پونجی بھی ٹوٹے گی۔ لیکن پونجی کا مصرف ہے یہی کہ وہ مارکیٹ میں گردش کرتی رہے۔ ورنہ چاہے اس کی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ قطعاً بے کار ہے۔

کارکنان اسلامی جمعیت طلبہ نے جب اپنی حقیر سی متاع اخلاق و ایمان کو اس راہ میں لگا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر وہ سارے اہتمام کرنا روری ہیں۔ جو نہ صرف اسے حسارے سے بچائیں بلکہ ملک وملت اور خود ہم کو بھی مزید منافع دلائیں۔ ہم کو ایک کم صاحب سرمایہ تاجر کی طرح اپنے خون پسینے کی کمائی کو میدان میں ڈالتے ہوئے پوری طرح ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور اس کی نگہداشت کے سارے وسائل اختیار کرنا چاہئیں۔ ہمیں وبازدہ فضا میں خدمت عوام کا کام کرنے کے لیے اپنی صحتوں کا تحفظ کا ہر ممکن اہتمام پہلے سے کر لینا چاہیے۔

اللہ سے تعلق:

اس نازک آزمائش میں پڑتے ہوئے ہماری اولین ضرورت تعلق باللہ کی استواری ہے۔ یہ تعلق اگر اپنے کم سے کم معیار مطلوب سے گر جائے تو پھر ہماری سرگرمیاں دنیا پرستانہ رنگ اختیار کر سکتی ہیں۔ اور دلوں اور ذہنوں کے سارے دروازے شیاطین جن وانس کے لیے چوپٹ کھل سکتے ہیں۔ پھر کوئی پہرہ ایسا نہیں رہتا جو معصیتکے لشکروں کو ضمیر کے قلعوں میں گھسنے سے روک سکے۔ تعلق باللہ کو قائم رکھنے اور اسے آئندہ مراحل کیضروریات کے مطابق ترقی دینے کے لیے کم سے کم

حسب ذیل امور کا اہتمام زیادہ توبہ کے ساتھ کرنا ناگزیر ہے۔

۱۔ ہماری تحریک پر اللہ کا یہ فضل وکرم ہے کہ اس کے ارکان اور ہمدردوں میں سے کوئی بھی بنیادی عبادات کا تارک نہیں ہے لیکن صرف عبادات کی سرانجام دہی کافی نہیں۔ بلکہ ان میں پوری باقاعدگی اور اسکے ساتھ خشوع وخضوع کی جو صفات ہونی چاہئیں۔ ان میں اب تک معیار مطلوب سے ہم سب نیچے ہیں۔ یہ ایک ایسی کمزوری ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ہم اگر بڑے بڑے معرکوں میں کود پڑے۔ اور ظاہر ہے کہ معرکہ ہائے حیات سے ہم الگ نہیں رہ سکتے۔ تو ہم کو خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہمارے رفقا کو یہ چاہئے کہ کتاب وسنت سے نماز روزہ اور زکوٰۃ کے ان شرائط وکوائف کو معلوم کریں جو اللہ کو مطلوب ہیں اور پھر ان کے پورے اہتمام کی فکر کریں۔ خصوصیت سے نماز کی کارروائی میں وقت کی شدید پابندی اور باجماعت نماز کی ایک بڑھتی ہوئی حرص اگر پیدا نہ ہو جائے تو نماز کے اندر خشوع وخضوع کے جوہر کو مکمل کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ عبادات میں جان اس وقت پیدا نہیں ہوتی جب تک ان کے ساتھ محاسبہ نفس کی عادت موجود نہ ہو۔ محاسبہ نفس موجود نہ ہونے کی صورت میں عبادات کا ظاہری قالب چاہے کتنا ہی مکمل ہو، وہ کھوکھلی رہ جاتی ہیں۔

۲۔ تعلق باللہ کو نشوونما دینے کے لیے دوسری ضرورت قرآن وحدیث کے براہ راست مطالعہ کی ہے۔ وہ جماعت جسکی ساری سرگرمیوں کا دارومدار ہی اس تعلیم پر ہو جو کتاب وسنت میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے پیش فرمائی ہے، اس کے کارکن اگر روزمرہ ایمان وعلم کے ان سرچشموں سے سیراب ہوتے رہنے کی فکر نہ کریں تو کیا معلوم کہ کس قدم پر وہ بھٹک جائیں۔ دور جدید کی مقبول جاہلیتوں کی جن تاریکیوں میں ہم کو اپنا سفر طے کرنا ہے۔ اور علم وادب سے مسلح ہوکر رہزنی کرنے والے جن غول ہائے بیابانی کے نرغوں سے ہمیں گزرنا ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے حکمت دین کی قندیل کو ساتھ لیے بغیر اعتماد کے ساتھ چند

فرلانگ بھی نہیں چلا جا سکتا۔

ہر کارکن کو گھنٹہ آدھ گھنٹہ، ورنہ پندرہ بس منٹ سہی، بہر حال کچھ وقت روزانہ اس مصرف پر باقاعدگی سے لگانا چاہیے۔ کہ جس اصول و انظام کے قیام کے لیے وہ سرگرداں ہے۔ اس کی حقیقت اوراس کے تقاضوں کو اصل ماخذ سے براہ راست معلوم کرے۔ زیادہ اگر ممکن نہ ہو تو ایک آیت اور ایک حدیث کو بھی اگر پوری طرح سمجھ کر اور عملی زندگی میں اسے اپناتے ہوئے ہر روز پڑھا جاتا رہے وانشاء اللہ تریاق حق کی یہ چھوٹی چھوٹی خوراکیں بھی اپنے تسلسل کی وجہ سے ہمیں فضاؤں کے اثرات سے بچائے رکھیں گی۔

کتاب وسنت کے سمجھنے میں لٹریچر ممد ہو۔ خصوصاً تحریک اسلامی کے لٹریچر کا مطالعہ بھی جاری رہنا چاہیے۔ بہت سے کارکن لٹریچر کے بعض حصص کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید مطالعہ سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ اوراس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم ''تحریک'' اوراسکے ''نظم'' کو سمجھ چکے اور کچھ وہ بھی ہیں جو ایک مرتبہ جن کتابوں کا چند سالمطالعہ کر چکے ہیں ان کو دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ حالانکہ پورے لٹریچر کا مطالعہ اور بار بار مطالعہ اشد ضروری ہے۔

۳۔ تعلق باللہ کے لیے نوافل کا اہتمام جتنا ممکن ہو، ہر دور میں تحریک اسلامی کے کارکنوں کے لیے ضروری رہا ہے۔ نوافل میں ضروری امر یہ ہوتا ہے کہ ان کو دوام کے ساتھ عمل میں لایا جائے اور خاص طور پر ان کے اخفا کا لحاظ رکھا جائے۔ نوافل میں نفل نماز خصوصاً تہجد کا مقام بلند ترین ہے۔ تہجد کی نماز مشکل مراحل سے گزرتے ہوئے تحریک اسلامی کے سپاہیوں کا بہترین سہارا ہوتی ہے۔ جو رفقاء اس مقام پر پہنچ سکیں وہ کسی دوسرے وقت میں نماز تہجد کی چار رکعتیں بہر حال اپنے اوپر لازم کرنے کی کوشش کریں۔

دوسرا درجہ نفل روزے کا ہے۔ جو تعلق باللہ کے بہترین ذریعہ ہے۔ مہینے میں تین روزہ کی روزہ داری مسنون بلکہ صائم الدہر رہنے کے برابر ہے۔ علاوہ بریں احادیث میں خاص خاص ایام کے لیے روزہ رکھنے کو پسند کیا گیا ہے۔ بہر حال اس معاملے میں ڈھیل ہے کہ ہر عشرے یں

ایک دن یا ہر مہینے میں ایک دن نفلی روزے کے لیے نکالا جائے۔

پھر نوافل میں انفاق فی سبیل اللہ کا ایک بلند رتبہ ہے۔ یوں بھی ہماری تحریک کی آبیاری بجز اس کے ممکن نہیں ہے۔ کہ ہم میں سے ہر فرد انفاق فی سبیل اللہ کے جذبے سے سرشار ہو اور اپنی آمدنی میں سے ایک حصہ اقامت دین کے لیے الگ کرتے رہنے کی عادت ڈال لے۔ بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اب ایسے ایسے مراحل کا رسامنے آرہے ہیں کہ شاید ہم لوگوں کو اپنے اسباب زینت بیچ بیچ کر اللہ کے دین کی پرورش کرنی پڑے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہمارے رفقاء کی اکثریت غربا پر مشتمل ہے، چند ساتھی متوسط درجے کے ہیں اور دنیوی مفاد سے ہٹ کر چلنے والی تحریک کو امرا کا تعاون حاصل ہے۔ ان حالات میں ارکان و ہمدردان جس درجے کا انفاق کر کے بیت المال کو زندہ رکھتے ہوئے ہیں۔ ان کی مثال کوئی دنیادار جماعت پیش نہیں کرسکتی۔ لیکن خدا شاہد ہے کہ ابھی یہ انفاق اس معیار سے بہت نیچے ہے جو انبیاء کے صحابہ نے قائم کیا ہے۔ غور کیجیے اس نازک صورت حال پر جواب ہمیں درپیش ہے۔ اس میں اگر کام محض اس وجہ سے بے نتیجہ رہ گیا کہ بیت المال کو اتنی غذا نہ مل سکی جس سے تحریک کی رگوں میں خون دوڑتا رہتا تو ہم لوگ آخر خدا تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔

اس پہلو سے ہمیں اپنے جذبے کو ابھی اور زیادہ قوی کرنا ہے۔

۴۔ تعلق باللہ کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہمہ وقت کے ذکر و دعا کی ہے خدا کے نبیؐ نے رہبانیت آمیز ذکر کے بجائے اپنی امت کو صبح سے شام تک پیش آنے والے مراحل کے لیے ایک ایسا ذکر سکھایا ہے۔ جو سوتے جاگتے، چلتے پھرتے۔ اٹھتے بیٹھتے۔ موقع بہ موقع جاری رہتا ہے، سو کر اٹھنے کے لیے، گھر سے نکلنے کے لیے، گھر میں آنے کے لیے، کوئی کام شروع کرنے کے لیے، کسی خوشی کے موقع پر، کسی غم و حسرت کے مقام پر، کسی غلطی کے سرزد ہو جانے پر، اذان سنتے ہوئے، وضو کرتے ہوئے، چھینک آنے پر، مسلمان بھائی سے ملتے ہوئے، کھانے سے فراغت پانے پر، پانی سے سیراب ہوتے ہوئے

غرضیکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے موقع کے لیے ذکر الٰہی اور دعائے خیر کے لیے نبی صلعمؐ نے چھوٹے چھوٹے پاکیزہ کلمات سکھائے ہیں ان کلمات کو شعور کے ساتھ ادا کرتے ہوئے ایک مسلمان اپنے آپ کو اپنے آقا و مولا سے وابستہ رکھتا ہے۔ اور دنیا کے ہنگاموں میں کبھی بھی غافل ہو کر کھو نہیں جاتا۔ ذکر و دعا سے اس شخص کی زندگی بھر جاتی ہے۔ جو صبح سے شام تک کبھی سبحان اللہ، کبھی الحمد اللہ، کبھی استغفر اللہ، کبھی لاحول ولاقوۃ الا باللہ، کبھی صدق اللہ ورسولہ، کبھی اغفر وارحم، کبھی انت ولی فی الدنیا وفی الاخرہ، کبھی انت ولی فی الدنیا وفی الاخرہ، کبھی حسبی اللہ ربی، کبھی نعم المولیٰ الوکیل، سچے جذبے کے ساتھ کہتے ہوئے اپنے حاکم وکارساز سے تعلق کو قائم رکھتا ہے۔ وہ قدم قدم پر قادر مطلق سے توفیق توفیق خیر طلب کرتا ہے، وہ رہنمائی حاصل کرتا ہے، وہ بھلائی کی آرزو کرتا ہے، وہ شیطان کی سرگرمیوں کے مقابلے میں اس کی پناہ چاہتا ہے۔ وہ غلطیوں پر متنبہ ہو کر مغفرت کی درخواست کرتا ہے۔ اس طرح اس کی زندگی ہمہ تن ذکر اور ہمہ تن خیر بن جاتی ہے۔

اس طرح کے ہمہ وقت ذکر کو۔ بشرطیکہ وہ شعوری ہو اپنانا کارکنوں کے لیے بہت ضروری ہے۔ نیز ہر لمحہ اپنے ایمان، اخلاق، صبر، توکل، اور ضبط ونظم کی مضبوطی کے لیے دعائیں اور آرزوئیں کرنا بھی ایک ایسا وظیفہ ہے جو کسی معرکہ میں کام کرتے ہوئے بہت ہی نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ وہ ذکر و دعا جو شعوری نہ ہو جس میں اپنے دل کے احوال وکوائف سے توجہ ہٹی ہوئی ہو۔ جس میں اللہ کی حضوری کا احساس ناپید ہو، جو ریاکاری سے آلودہ ہو جائے اور جس کی حیثیت اعصاب کی ایک ورزش کی سی ہو جائے اس سے نتائج مطلوبہ برآمد نہیں ہو سکتے۔ پس ذکر و دعا ہو تو فکر کے ساتھ ہو اور ریا سے پاک ہو۔

نظم سے تعلق:

کسی بڑی مہم میں کوئی بھی جماعت اگر اس حالت میں شریک ہو کہ اس کا ڈھیلا ہو تو اس کو اس موٹر گاڑی کا سا انجام پیش آ سکتا ہے جس کے پرزے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک کسے ہوئے نہ

ہوں اور ڈرائیور اسے پہاڑی اور ریگستانی راستوں پر ایک لمبا سفر کرنے کے لیے لے نکلے، اور پھر سفر میں جانے کے بعد قدم قدم پر اسے مشکلات کا سامنا ہو۔ یہاں تک کہ گاڑی کی مشین کسی نازک مرحلے پر بالکل ہی جواب دے دے۔

نظم بلاشبہ ہر جماعت کے لیے ایک طبعی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہماری نگاہ میں طبعی ضرورت کے علاوہ اس کی حیثیت عین دین و اخلاق کی اور اللہ کی عبادت کی اور رسول کریم علیہ التحیہ والسلام کی اطاعت کی ہے۔ اس وجہ سے دوسروں کے ہاں نظم کی کمزوری صرف اس لیے ناگوار ہوتی ہے کہ وہ کام میں حائل ہوتی ہے۔ لیکن ہمارے لیے تو وہ ایسی معصیت ہے جو عاقبت کو خراب کر دینے والی ہے پس نظم کو کسے رکھنا اور اس کے لیے ہر رفیق کا پاسبان بن کر کھڑے رہنا ضروری ہے۔

نظم کے سلسلے میں چند اہم امور کا تذکرہ کر دینا مناسب ہوگا۔

۱۔ نظم کی ریڑھ کی ہڈی امر و اطاعت کا توازن ہے۔ یہ توازن برقرار نہ رہے تو پھر نظم کے سرے سے کوئی معنی نہیں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس امر و اطاعت کے توازن کو درہم برہم کر دینا گناہ کبیرہ ہے۔ جو عین خدا اور رسول کی نافرمانی ہے اور جسکے بعد دنیا و آخرت کی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔ قرآن کا مطالبہ یہ ہے۔

> ''واضح رہے کہ یہ تینوں اطاعتیں واجب ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا ترک ایک مسلم کو خسران کے مقام پر لے آتا ہے۔ خود نبی صلعمؐ نے فرمایا کہ ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، جس نے میری (یعنی آنحضورؐ کے مقرر کردہ یا آنحضورؐ کی پیروی کرنے والے) امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک قول جو اسی مدعا کی وضاحت کرتا ہے۔ یوں ہے بلاشبہ ائمہ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور ان کی نافرمانی اللہ کی نافرمانی ہے بے شمار احادیث و روایات جو اس سلسلہ میں قطعی الاحکام ہیں کتب احادیث میں مذکور ہیں ان سب کو مدعا یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو چلانے کے لیے یا اقامت دین کی جدوجہد کے لیے جو نظم اسلامی آئین وحدود پر قائم ہو۔ اس میں جو لوگ اسلامی معیار قیادت کے پیش نظر اپنے علم وتقویٰ میں ارفع ہونے کی بنا پر امارت کے لیے منتخب کئے گئے ہوں۔ ان کی اطاعت (فی المعروف) کرنا اہم ترین شرعی فرائض و واجبات میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیؐ نے صاف صاف فرمایا کہ اگر نکٹا حبشی بھی امارت کے مقام پر سرفراز ہو تو باوجود یہ کہ اس کی شکل وصورت اس کا نسلی ونسبی مقام، تمدنی آداب و رسوم میں اس کا ذوق، جذبات اور حسیات میں اس کا مخصوص رجحان کسی کو چاہے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو اس کی پوری پوری اطاعت کرنا ضروری ہے۔ نبیؐ نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ اس مطالبہ اطاعت امیر سے جو لوگ روگردانی کریں ان کے تقویٰ کی بڑی سی مقدار بھی انہیں آخرت کی کامرانی سے ہمکنار نہ کر سکے گی۔

جس کسی نے اطاعت امر سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا وہ قیامت کے روز اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ (اپنے آپ کو برسر حق ثابت کرنے کے لیے) اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو گی۔

ان اشارات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام جماعت میں ارباب نظم کی حیثیت وہ نہیں ہے جو عام دنیا پرست سیاسی جماعتوں کے صدروں، نائب صدروں اور انکے مشیروں کی ہوتی ہے۔ بلکہ یہاں ناظمین اور ان کے ارکان شوریٰ کا مقام ایک خاص طرح کا شرعی اور دینی مقام ہوتا ہے۔ جس کے حقوق و واجبات بھی شرعی اور دینی ہیں نہ کہ مصلحتی۔ ان وجوہ سے ان افراد کی اطاعت کا معاملہ ویسا نہیں ہے جیسا سیاسی پارٹیوں میں ہوتا ہے۔

جب تک ارباب نظم کتاب وسنت سے کھلا کھلا انحراف نہ کریں ان کے احکام اور ان کی ہدایات سے سرتابی کرنا یا ان کی اطاعت خوشی ورغبت سے کرنے کے بجائے بددلی کے ساتھ کرنا یا ان کے لیے خیر خواہانہ جذبات رکھنے کے بجائے کینہ ونفرت کے جذبات دلوں میں رکھنا ان کے

خلاف سازشیں کرنا۔ان کی غیبت کرنا،ان کے متعلق بد دلی پھیلانا،ان کو واقعات واحوال سے آگاہ کرنے میں اور راہ ثواب پر چلنے کے لیے صحیح مشورے دینے میں بخل دکھانا اور ان کے سونپے ہوئے رازوں کو نشر کرنا۔یہ سب کچھ کبیرہ گناہوں میں داخل ہے۔اور ایسے کبائر ہیں کہ ان کی وجہ سے عبادات کی انجام دہی اور عام اخلاق کی درستی کے باوجود آدمی عاقبت باہ ہوسکتی ہے۔یہ وہ خطرناک آلائشیں ہیں جو آدمی کو نفاق کے گڑھے میں دھکیل سکتی ہیں۔اس وجہ سے اسلامی نظام جماعت کے اندر چلنے والوں کو اطاعت کے معاملے میں بہت محتاط ہونا چاہیے۔

۲۔ اسلام نے اندھی اطاعت کا مطالبہ یقیناً نہیں کیا ہے بلکہ وہ صرف ''اطاعت فی المعروف'' چاہتا ہے۔معروف کی حدود سے باہر اس کا حکم ''لاتعاونوا علی الاثم والعدوان'' کا ہے اسلامی نظام جماعت اس کا مقتضی ہے کہ اس کے سارے ارکان ان کی روش پر کڑی نگاہ رکھیں اور انہیں معروف کی حدود سے کوئی قدم باہر نہ نکالنے دیں جیسا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

''اے لوگو!تم میں سے جو کوئی میرے رویئے میں کوئی کجی دیکھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ میری اس کجی کو سیدھا کردے۔''

اس سلسلے میں کسی امر اجتہادی میں اگر اختلاف ہو تو اسے صاف کرنے کے لیے اسے پیش کرنے کا،اس پر بحث کرنے کا اور اگر صاف نہ ہو سکے تو اس پر قائم رہنے کا حق بھی ارکان کو از روئے شریعت حاصل ہے۔لیکن اطاعت بہرحال اسی فیصلے کی کرنی لازم ہے جو ارباب نظم کی طرف سے نافذ العمل ہو۔اطاعت کا قلاوہ گردن سے نکالنے کے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ فیصلہ میری رائے کے خلاف کیوں ہوا۔اور حالات کو اس نظر سے نہیں دیکھا گیا جس نظر سے میں دیکھتا ہوں۔اطاعت کا قلاوہ صرف اسی صورت میں نکالا جا سکتا ہے جبکہ بہ الفاظ رسالت مآبؐ اسلام سے کھلا کھلا انحراف پایا جائے۔

ذمہ دار افراد کو راہ حق پر سیدھا رکھنے کے لیے تنقید بھی کارکنان کا ایک بنیادی حق ہے۔

لیکن اسلامی نظام جماعت میں تنقید اس سوئے ظن کے ساتھ کرنا جو دوسری تنظیموں کا خاصا ہے غیر اسلامی طریق کار ہے۔ اسلامی نظام میں تنقید حسن ظن کے ساتھ ہوتی ہے۔، اور اس میں اعتراض اور شکایت کے انداز کے بجائے خیر خواہانہ مشورہ کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ اسلامی جماعت میں تنقید کا صرف وہی پاکیزہ اسلوب کھپ سکتا ہے کہ جس میں نہ ناقد کے اندر تلخ جذبات کام کررہے ہوں اور نہ مخاطب میں اس سے کراہت پیدا ہو، وہ کہ جس میں کوئی انتقامی سپرٹ شامل نہ ہو اور وہ کہ جس میں اپنی بات منوانے کی ضد کا اثر نہ ہو اور وہ کہ جس کے قبول نہ کئے جانے پر آدمی پر بددلی کا دورہ نہ پڑ جائے، پھر اسلامی تنقید کی شان یہ ہے کہ وہ روبرو ہوتی ہے۔ نہ کہ پس پشت، پس پشت اگر کچھ کہا جائے تو وہ غیبت ہے نہ کہ تنقید غیبت اسلامی نظام سے پرلے درجے کی بدخواہی ہے۔ حالانکہ تنقید اس کی بہترین خیر خواہی ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ہمارے نظم میں ذمہ دار افراد پر جتنے زیادہ صاف سے صاف الفاظ میں تنقید کی جائے، اتنا ہی تحریک کے حق میں رحمت ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہرحال حفظ مراتب کے اسلامی اخلاق کے خلاف ہے کہ ناظمین پر طنز و تعریض کے چبھتے ہوئے فقرے کسے جائیں، ان کے لیے احترام سے ہٹے ہوئے فقرے استعمال کرکے دلوں کا بخار نکالا جائے۔ ان کا مذاق اڑایا جائے۔ یا ان کی کمزوریوں کا ذکر کرکے مزے لے جائیں۔

حق تنقید کا یہ استعمال بھی مفسد انگیز ہوتا ہے کہ اس قانونی بندشیں نہ ہونے کی وجہ سے اسے مستقل پیشہ بنا لیا جائے۔ اور اہل امر کی ہر حرکت ہر عمل اور ہر فیصلے پر، بلکہ ان کے ایک ایک فقرے پر جا و بے جا گرفت کرنے کا سلسلہ شروع ہو اور ان سے ہر امر کے متعلق مطالبہ کیا جائے کہ اس کے پورے پورے دلائل بیان کرو۔ یہ حالت اگر پیدا ہو جائے تو کسی ذمہ داری کو لے کر کوئی انسان بھی ایک دن نہیں چل سکتا پھر تو ذمہ دار شخص کا کام یہی رہ جائے گا کہ وہ مامورین کے سامنے بیٹھا جواب دہی کرتا رہے اور ان کے اعتماد کو بحال کرنے کے لیے اپنے ایک ایک جملے اور ایک ایک فعل کا تفصیلی تجزیہ کرکے سمجھاتا رہے کہ اس میں کوئی قابل شکایت چیز نہیں ہے۔

ان سطور کے پیش نظر اگر سوچا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ارباب نظم کے مقابلے میں حق صحیح یا حق تنقید استعمال کرتے ہوئے صراط مستقیم پر چلنا بہت ہی احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ اس احتیاط کے تقاضے سے اگر صرف نظر کر لیا جائے تو آدمی تنقید کا حق غلط اسلوب سے استعمال کرتے ہوئے تنظیم کے لیے ایک خطرناک روگ بن سکتا ہے۔ اور خود اس کی عاقبت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

غلط تنقید کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ وہ اطاعت میں حائل ہو جاتی ہے اور ایک شخص نظم کے حقوق میں کھلی کھلی خیانت کرنے پر اتر آتا ہے۔ پس اطاعت اپنی جگہ پر اور تنقید اپنی جگہ پر رہنی چاہیے۔ اطاعت کو ختم کرنے والی چیز معصیت خالق کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

۳۔ نظام اطاعت کی پابندی میں شخصیتوں کے اول بدل سے کوئی فرق نہیں لایا جا سکتا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک تحریک کے وسیع نظام کا بار اٹھانے والی ایک بڑی ٹیم کے افراد میں سے کوئی اونچا ہو کوئی نیچا، کسی کا علم زیادہ ہو، کسی کا تقویٰ کسی کو دور جدید کے خاص تقاضوں پر زیادہ دسترس ہو اور کسی کو قرون اولیٰ کے حالات کی گہری بصیرت حاصل ہو، کسی کی نگاہ احکام شریعت کے ظاہر پر زیادہ رہتی ہو اور کوئی احکام کی حکمتوں کا لحاظ رکھنے میں خاص توجہ دے، کسی کے نزدیک تحریک کا ایک پہلو زیادہ اہمیت رکھتا ہو، کسی کے نزدیک دوسرا پہلو اولین توجہ چاہتا ہو، پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کا مزاج ذرا سخت ہو، کسی کا نرم، کوئی زیادہ بے تکلفی کو پسند کرتا ہو، کوئی باوقار مسلک کا خوگر ہو، کوئی گرمی گفتار کو پسند کرے اور کوئی خاموشی سے کام کرنے والا ہو، پھر لباس، وضع قطع نشت و برخاست، کھانے پینے وغیرہ جیسے وظائف زندگی میں مختلف افراد کے ذوق مختلف ہو سکتے ہیں۔ شخص ذوق، رجحان اور طبیعت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جو ایک نظام جماعت کی مجموعی پالیسی کی وحدت کے باوجود اپنا کام ایک خاص حد تک کرتے ہیں۔ ان فرق و اختلاف کی وجہ سے مختلف اہل امر کی حیثیتیں مختلف نہیں ہو جاتیں کہ ہر ایک کے حقوق اطاعت میں کمی بیشی کی جا سکے اور اگر ان میں ادل بدل ہو جائے تو لوگ اس امر کی جستجو کریں کہ

فلاں میں وہ ذوق اور وہ اطوار کیوں نہیں ہیں۔ جو فلاں میں ہیں۔ اور جب ایک قسم کے طرز عمل سے مانوس ہو جانے کے بعد کوئی ادل بدل واقع ہو تو طبائع میں اضطراب نمودار ہو اور حرکت و عمل کی رفتار سست پڑنے لگے۔ اس مفسدے کے سد باب کے لیے نبیؐ نے یہ ہدایات دی تھی کہ ایک نکٹا حبشی بھی اگر امر میں تمہارا امام ہو ''فاسمعوا واطیعو'' پر عمل کرو اور یہ نہ دیکھو کہ اس کی صورت کیسی ہے، اس کا لباس کیسا ہے اور اس کے ذوق و آداب و شعائر کس طرح کے ہیں۔ اطاعت کو شریعت نے اس امر پر منحصر نہیں کیا ہے کہ اہل امر کا شخصی ذوق ورحجان ہر پہلو سے مامورین کی منشا کے مطابق ہو۔

اسلامی تحریک شخصیتوں کے محور پر نہیں گھومتی، بلکہ ایک وقت میں اگر نبی صلعمؐ کی رہنمائی میں چلتی ہے تو دوسرے وقت حضرت صدیقؓ کے کلمات بلند کرتے ہوئے آتے ہیں اور تحریک کی باگ ڈور سنبھال لیتے ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ جیسا سخت مزاج خلیفہ اس کی عنان قیادت تھامتا ہے، پھر عثمانؓ جیسی حلیم ہستی اس ذمہ داری کو اپنے کندھں پر لیتی ہے۔ اور پھر حضرت علیؓ اپنی خصوصیات کے ساتھ اس کی سربراہ کاری کرتے ہیں۔ اس سارے ادل بدل میں نظام اطاعت کی فرضیت بحال رہتی ہے۔ اور اسے توڑنا ایک ہی طرح کا گناہ کبیرہ رہتا ہے۔

اس بات کو کبھی نہ بھولیے کہ ہمیں نظم کی اطاعت شخصیتوں کے پیش نظر نہیں بلکہ ان مناسب کی شرعی حیثیت کے پیش نظر کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ پس شخصیتیں حالات وضروریات کے تحت چاہے روزانہ بدلتی رہیں۔ لیکن خدا اور رسولؐ نے امارت کے جو حقوق ہمارے اوپر واجب ٹھیرائے ہیں۔ ان کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ یکساں جاری رہنی چاہیے۔

۴۔ اب تک مامورین کی ذمہ داریں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے مقابل دوسری طرف اہل امر کی ذمہ داریاں ان سے بھی زیادہ نازک ہیں۔ جب تک اہل امر اپنے حصے کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہتمام نہ کریں نظام امر و طاعت کا توازن برقرار نہیں رہ سکتا، مامورین کے مقابلے میں اہل امر کی اخروری باز پرس بھی زیادہ شدید قسم کی ہوگی اور دنیا

میں تحریک اسلامی کی کامیابی کا زیادہ دارومدار بھی ان کی صحت کار پر ہوتا ہے۔خود مامورین بھی طاعت پر صحیح معنوں میں اسی ورت میں قائم رہ سکتے ہیں جب اہل امر اپنے حصے کے فرض......یعنی امر......کے معاملے میں اپنے فرائض کوٹھیک ٹھیک ادا کریں۔

اس سلسلے میں ذیل کی آیت بہترین رہنمائی کرتی ہے۔جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلعمؐ کی شان امارت کوان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

''یہ کچھ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ آپ ان (مسلمانوں) کے لیے نرم خو ہیں اور اگر درشت کلام اور تلخ مزاج ہوتے تو یہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہوجاتے پس ان کی غلطیوں سے درگزر کیجئے ان کے لیے بخشش طلب کیجئے اور معاملات میں ان سے مشوہ کیجئے، پھر جب آپ (مشورہ کے بعد کسی بات کا تہیہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

اس آیت میں نبی صلعمؐ کی پیروی میں کام کرنے والے ان تمام اہل امر کے لیے وہ بنیادی ہدایت دے دی گئی ہے۔جس کو ملحوظ رکھے بغیر کوئی بھی نظم خوبی سے کام نہیں کرسکتا۔نظم کے ہر فرد کو اس آیت کی روشنی میں جن امور کا پابند رہنا چاہیے اور جن کے مطابق اپنے مزاج کو ڈھالنا چاہیے وہ یہ ہیں۔

۱۔ کوئی نظم اپنا صحیح وظیفہ کامیابی سے سرانجام نہیں دے سکتا جب تک کہ اس میں بلاامتیاز جملہ رفقا کے شفقت اور نرم خوئی کا وصف موجود نہ ہو۔نظم کے افراد کا رویہ ایسی شفقت پر مشتمل ہونا چاہیے کہ ہر فرد یہ محسوس کرے کہ سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ اعتماد شاید مجھی کو حاصل ہے۔کسی شخص کو اپنے دل کی بات کہنے میں جھجک نہ ہو کسی کو حلقہ اہل امر میں داخل ہوتے ہوئے کوئی ذہنی احساس مانع نہ ہو اور کسی فرد کو کوئی اونچ نیچ نہ محسوس ہو۔ یہ چیز جہاں نہیں ہوتی وہاں اہل امر اور مامورین میں ذہنی قلبی اور مجلسی بعد

پیدا ہوتا ہے اور رفاقت کی روح میں کمزوری آنے لگتی ہے۔

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ میر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

بس یہی خوئے دل نوازی ہے جس کا مطالبہ یہ آیت کرتی ہے۔

خوئے دل نوازی کے اس مطالبے سے یہ مراد لینا ایک زیادتی ہوگی کہ ارباب نظم کسی معاملے میں سختی نہ کریں، کسی کوتاہی پر باز پرس نہیں کریں۔ کسی نازیبا حرکت پر ٹوکنے نہ پائیں اور ایک ایک کارکن کی خوشامد کرتے پھریں۔ بخلاف اس کے حکمت ومصلحت کے مطابق جہاں شدت وغلظت سے کام لینے کے مواقع آئیں، وہاں سختی کرنے کا تلخ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کرنا تحریک کے مفاد کے خلاف ہوگا، ذمہ دار افراد کو اصول، مقصد اور نظم کی پاسبانی میں رفقاء سے بسا اوقات تحکم کا رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس کی روح رحمت وشفقت کی روح ہوتی ہے۔ اگر چہ اس کا ظاہر پیرایہ سخت گیرانہ ہوتا ہے۔

ب۔ اہل امر کو چونکہ تمام رفقاء کی حرکات وسکنات کا جائزہ لینے کا موقع ملتا ہے اور اس وجہ سے ان کے بہت سے عیوب، بہت سے کمزوریاں بہت سی غلط کاریاں ان کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ کسی نے اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی میں کوتاہی کر دی۔ کسی نے مخالفین تحریک سے کوئی نازیبا بات کہہ دی کسی نے کوئی غلط جذباتی مظاہرہ کر دی، کسی نے کوئی اہم راز کی بات برسرعام کہہ دی، کسی نے اپنے کسی رفیق سے یا کسی غیر سے بدمعاملگی کر دی، کسی نے غیبت کی، کسی نے شکایت کی۔ اور ان حالات میں انسانی طبیعت بدگمانی اور تکدر کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آہستہ آہستہ اس قسم کی کمزوریوں کو دیکھ کر اہل امر کے دل خاص خاص افراد کے متعلق بھی اپنے پورے حلقے کے متعلق بھی تلخی سے بھرنے لگتے ہیں۔ اور ایک طرح کی کراہت شدت وغلظت کے روپ میں ربط ضبط اور طرز کلام میں ظاہر ہونے لگتی ہے۔ اس سے دل پھٹتے ہیں۔ بدگمانیاں بڑھتی ہیں اور نظام امر وطاعت

کے پیچ ڈھیلے ہونے لگتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت اسی معاملے میں انتباہ کرتی ہے۔ اور اہل امر کو وہ یہ درس دیتی ہے کہ وہ اپنے رفقاء کی کمزوریوں کو دیکھیں اور معاف کرتے جائیں اور دل میں کسی طرح کی گرہ نہ پڑنے دیں اور اپنے اندر مایوسی اور تکدر کو داخل نہ ہونے دیں، کیونکہ مختلف طبائع مختلف کمزوریاں رکھتی ہیں اور بہت محنت کے بعد آہستہ آہستہ ان کی اصلاح ہوا کرتی ہے صرف یہی نہیں کہ اپنی طرف سے عفوو درگزر سے کام لیا جائے بلکہ شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی غیر حاضری میں اپنے اللہ سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی جائے یہ باہمی محبت کے جوڑ کو مضبوط کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

ج۔ کا اقتضا یہ ہے کہ اہل امر موقع بہ موقع اپنے مختلف رفقا سے ان کی حیثیتوں اور ان کے علم و بصیرت کے مطابق مشورہ طلبہ کرتے رہیں باہمی مشاورت سے اعتماد بڑھتا ہے، بدگمانیاں دور ہوتی ہیں اور فیصلوں پر عمل کرنے کرانے میں سہولت ہوتی ہے۔

مشاورت یقیناً فرض ہے اور جس معاملے میں جو رفقا بھی صحیح مشورہ دینے کے اہل ہوں ان سے استصواب کرنا عین ارشاد الٰہی کا اتباع ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر معاملے میں ہر شخص سے لازماً مشورہ لیا جائے بلکہ ضروری یہ ہے کہ جس معاملے میں جس شخص کا مشورہ لینا مناسب ہو۔ اس سے ضرور مشورہ طلب کیا جائے۔ بعض صورتوں میں خاص اشخاص سے بعض میں منتخب کردہ شوریٰ سے اور بعض میں عام ارکان اور رفقا سے حسب مصلحت مختلف معاملات میں رائے طلب کرنا اور پھر آرا پر غور وخوض کرنا اقامت دین کی جدوجہد کے لیے قوت بخش ہے، نیز اس سے نظام جماعت مستحکم رہتا ہے۔ مشاورت اس بات کا بھی بہترین وسیلہ ہے کہ اس کے ذریعے مختلف دماغ اور ذہن باہم ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں۔ اور پیش نظر معاملات میں ہونے والے فیصلوں پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

د۔ آخری ارشاد جو اہل امر کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس کا مفاد یہ ہے کہ جب ضروری مشاورت کے بعد ایک معاملہ طے ہو جائے پھر اس پر ذہن کو یکسو کر کے

مضبوطی سے قائم ہو جانا چاہیے۔ ایک بڑی جماعت کے اہل امر کو روزمرہ کے مختلف پھیلے ہوئے امور و مسائل میں فیصلے ہو جانے کے بعد بھی اختلاف آرا کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور مسلسل نو بہ نو مشورے ان کے آگے رکھے جاتے ہیں۔ لیکن اگر فیصل شدہ امور میں بار بار ادل بدل کی پالیسی اختیار کی جائے تو عملی سرگرمیوں کا ایک رخ پر کامیابی سے چلنا ممکن نہیں رہتا، بلکہ الٹا اہل امر کے دلوں میں تذبذب اور انتشار فکر کی خرابی ابھرتی ہے۔ جس سے جماعت کی مجموعی پالیسی میں بھی دوامی اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ ان ہی وجوہ سے شارع نے یہ چاہا کہ باقاعدہ ایک نتیجے پر پہنچ جانے کے بعد مشورے دینے والے رفقا کو اس بات کی تربیت دی جائے کہ وہ فیصل شدہ امور کو قبول کر کے عملی ذمہ داریوں کو پورا کریں۔

۵۔ نظم امر اطاعت کے سلسلے میں کہنے کی باتیں اور بھی ہیں۔

ا۔ مختلف ذمہ دار حضرات کی طرف سے جو سرکلر اور ہدایات نامے جاری ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں اطاعت کی شرعی فرضیت کا احساس کچھ کمزور ہے ان ہدایات اور سرکلر کو غالباً معمولی دفتری چیزیں سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جب کوئی مراسلہ جاری ہوا کرتا ہے تو اس کی حیثیت عین اسی ''امر بالمعروف'' کی ہوتی ہے جس کے بارے میں کو لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ مراسلے درحقیقت اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کے ایک ایک لفظ پر پورا پورا غور کیا جائے اور ان کی بروقت تعمیل کے لیے پوری پوری قوت صرف کی جائے۔ اسی جذبہ عبودیت کے ساتھ جس کے ساتھ تمام احکام شریعت کی تعمیل کی جاتی ہے۔

ب۔ اجتماعات میں حاضری کے لیے جو وقت مقرر کیا جاتا ہے۔ کسی ڈیوٹی پر پہنچنے کے لیے جو موقع اور جو لمحہ طے کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح کسی اطلاع یا رپورٹ کے پہنچانے یا کسی امر کی تعمیل کے لیے جو صورت یا جو وقت متعین کیا جاتا ہے۔ اس کی پابندی کرنے میں جس باقاعدگی کی ضرورت ہے، وہ بھی ہم پیدا نہیں ہوئی۔

لوگ اب تک اس ذمہ داری کا پورا پورا احساس اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے کہ ان میں سے ہر فرد کی حیثیت ایک چلتی کل کے پرزے کی سی ہے اور وہ پرزہ اگر اپنا مقررہ فرض سرانجام دینے میں تاخیر کر دیتا ہے یا بے قاعدگی سے کام لیتا ہے تو ساری کل اپنا وظیفہ بروقت پورا کرنے میں ناکام رہ جاتی ہے۔ اس کوتاہی کو لے کر ہم کسی بڑی مہم میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ رفقا کو چاہیے کہ اپنے آپ کو نظم کی کل کے پرزوں کی حیثیت سے باقاعدگی کے ساتھ کام کرنے کا فن سکھائیں۔

ج۔ جیسا کہ اوپر کی بحثوں سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ طاعت امر طاعت نظم میں کوتاہی کرنا ایک معصیت ہے۔ جس کے لیے اپنے آقا و مولا کے حضور میں جواب دہی کرنی ہوگی لیکن محسوس یہی ہوتا کہ اس طرح کی کوتاہیوں پر رفقا میں بندوں کی طرف سے باز پرس ہونے پر ایک حد تک ندامت تو ہوتی ہے، لیکن ان میں بالعموم وہ احساس گناہ رونما نہیں ہوتا، جو ہونا چاہیے۔ طاعت نظم میں کوتاہی جھوٹ بولنے، کسی کو گالی دینے وعدہ خلافی کرنے، حق تلفی کرنے، خیانت کرنے، چوری کرنے، غیبت کرنے، جھوٹی شہادت دینے اور اسی طرح کے دوسرے بڑے بڑے جرائم سے کم درجے کی چیز نہیں ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ انفرادی اخلاق کے مذکورہ بالا تقاضوں سے اگر کبھی انحراف ہو جائے تو فوراً کھٹک ہونے لگتی ہے اور توبہ وانابت الی اللہ کا جذبہ ابھر آتا ہے، لیکن جماعتی اخلاق کے تقاضوں کو پامال کرنے پر دلوں میں گنہگار ہونے کا وہ احساس ندامت پوری طرح نہیں ابھر آتا جو فوراً توبہ واستغفار اور تلافی مافات اور اصلاح طرز عمل کی شکل اختیار کر لے۔

اجتماعی اخلاق کی قدر و قیمت انفرادی اخلاق سے بدرجہا بلند ہے اور اسی وجہ سے اجتماعی اخلاق میں کمزوری دکھانا زیادہ بڑی قسم کی معصیت ہے رفقا کو اب اس حقیقت کا احساس کرنا چاہیے۔ ہم اگر نظم کے عائد کردہ فرائض کو انجام دینے میں کسی کام کے لیے وقت نکالنے میں، کسی

پروگرام میں اپنا حصہ ادا کرنے میں، کسی موقع متعین پر بروقت پہنچنے میں یا دوسری طرف اہل امر کے حقوق ادا کرنے میں ان کی خیر خواہی کے تقاضے پورے کرنے میں صحیح اسلوب تنقید اختیار کرنے میں، مشورے اور معلومات بہم پہنچانے میں، راز داری کا حق ادا کرنے میں یا اطاعت امر سے عہدہ برآ ہونے میں کوئی کوتاہی دکھا جائیں تو ایسی ہر کوتاہی پر ایک شدید قسم کا جذبہ ندامت ہمارے اندر ابھرنا چاہیے۔ ایسا جذبہ ندامت جو توبہ و استغفار پر مائل کرے، جو عجز کی پیشانی حضور رب العالمین میں جھکانے پر آمادہ کرے، جو متعلقہ اہل امر یا رفقا سے معذرت طلبی پر اکسائے، جو تلافی مافیات کے لیے زیادہ شدید سرگرمی کار پیدا کرے۔ اور جو انفاق کی اسپرٹ کو ابھار لائے۔ یہ بات اگر ہم میں پیدا نہ ہوگی تو اسلامی خطوط پر اپنے نظم کو نشوونما دینا ہمارے لیے کبھی ممکن نہ ہوگا۔

۶۔ امر وطاعت کے مذکورہ بالا تقاضوں کو نہ محض اپیلیں پورا کر سکتی ہیں۔ نہ دستور و آئین کے دفعات، بلکہ صرف رفقا کا احساس ذمہ داری ہی ان تقاضوں کی تکمیل کا ضامن ہوسکتا ہے۔ اگر ہر رفیق اس عہد کو ذہن میں تازہ رکھے جو اس نے تحریک سے تعلق قائم کرتے ہوئے اپنے اللہ سے مومنین کو گواہ بنا کر استوار کیا ہے۔ تو اس کا یہ احساس ذمہ داری زندہ رہ سکتا ہے۔ اگر احساس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر رفیق یہ بات پیش نظر رکھے کہ نظم اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ایک امانت ہے جس پر وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح نگراں اور پہرہ دار بنایا گیا ہے۔ یہ وہ قیمتی امانت ہے جسے وجود میں لانے کے لیے تاریخ کے ہزار ہا عوام کام کرتے رہے ہیں اور یہ وہ امانت ہے جس پر بہت سے دماغوں کی محنت بہت سارو پیہ بہت سی شب بیداریاں، بہت سے دوڑ دھوپ، بہت سی قربانیاں صرف کی جا چکی ہیں۔ اور جسے نشوونما دینے میں بہت سے بندگان خدا نے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔ اس نظم میں اگر کوئی قوت ضعف لانے کی کوشش کرے تو اس کی دست برد سے اس امانت کو بچانا ہر رفیق کا اولین فرض ہے جو لوگ اس فرض میں کوتاہی کریں وہ

اس پہرہ دار کی طرح ہیں جو اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں خیانت سے کام لیتا ہے۔

پس رفقا کو ایک ایسی فضا بنا دینی چاہیے اور ایسی روایات قائم کرنے میں مسلسل مصروف رہنا چاہیے کہ جس میں نظم پر اثر انداز ہونے والا کوئی مفسدہ سر نہ اٹھا سکے اور اگر کوئی نا مطلوب چیز ابھرے تو جہاں ابھرے وہیں اس کو خوش اسلوبی سے دبا دیا جائے۔صرف یہی ایک صورت ہے جس کے ہتے ہوئے اہل امر اور مامورین دونوں اپنی اپنی حدود میں کتاب وسنت کے مطالبات کے مطابق چل سکتے ہیں۔

رفقاء سے تعلق:

امر وطاعت کا نظم اسلام کے تقاضوں کے مطابق صرف ایسی اجتماعی فضا میں چل سکتا ہے جس میں افراد کے باہم باہمی تعلقات صحیح اخلاقی بنیادوں پر استوار ہوں، ان اخلاقی بنیادوں کو خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے ٹھیک ٹھیک متعین کر دیا ہے۔خصوصیت سے سورہ حجرات میں وہ اہم اصول مختصراً یک جا بیان کر دیئے گئے ہیں جو اسلامی سوسائٹی اور تحریک اسلامی کے ارکان کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔یہاں بالاجمال ان کا ذکرہ کیا جاتا ہے۔

مجلسی زندگی کو درست رکھنے کے لیے پہلا حکم یہ ہے:

''اے اہل ایمان اگر کوئی فاسق تم تک کسی خبر کو لائے تو اس کے بارے میں (فیصلہ کرنے سے قبل) تحقیق کر لو تاکہ تم کو کسی گروہ پر نادانی میں (مشتعل ہو کر) نہ ٹوٹ پڑو اور پھر بعد میں اپنے کئے پر پچھتاؤ۔''

کسی قسم کی خبر، اطلاع یا بیان کے سنتے فوراً اس کے حق ہونے کا فیصلہ کر لینا بسا اوقات غلط نتائج تک پہنچاتا ہے۔اور اس قسم کی غلطی پر آخر کار پشیمانی ہوتی ہے۔یہ ہدایت عام ہے۔لیکن اسلامی سوسائٹی میں رفقا کو باہم اس پر سختی سے کاربند ہونا چاہیے۔اور ایک دوسرے کے

متعلق فساق کی لائی ہوئی اطلاعات پر فوراً فیصلے نہیں کر لینے چاہیے۔

ب۔

''اہل ایمان باہم ایک دوسرے کے لیے بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ۔''

اس حکم کا منشاء ظاہر ہے، ایک مسلم سوسائٹی کے ارکان میں اگر کبھی بہ تقاضائے بشریت رنجش، کدوت یا جھگڑا پیدا ہوتو دوسرے رفقاء کا کام یہ نہیں کہ وہ فتنہ کی آگ کو ہوا دینے میں لگ جائیں، بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ وہ بدگمانویں کو دور کرنے، دلوں کو قریب کرنے، اشتعال کو رفع کرنے کی کوشش کریں یہاں تک کہ اخوت کا وہ تعلق بحال ہو جائے جس کے بغیر کسی اسلامی جماعت کا نظم مضبوط نہیں ہوسکتا۔

ج۔

''اے اہل ایمان بہت زیادہ بدگمان ہونے (کی عادت) سے باز آ جاؤ۔ (کیونکہ) بہت بدگمان گنہگار ہوتے ہیں اور تجسس نہ کرو اور کسی کی غیر حاضری میں بدگوئی نہ کرو! کیا تم میں سے کوئی اسے پسند کرتا ہے کہ اپنے بھائی کے مردہ گوشت کو کھائے (نہیں بلکہ) اس سے تم کو گھن آتی ہے اور اللہ سے ڈرو یقیناً وہ (توبہ کرنے والوں کو) معاف کرنے والا ہے۔

اس آیت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ باہم بدگمانیاں نہ کی جائیں۔ شکوک وشبہات کی فصل دلوں میں نہ اگائی جائے، اور تہمتیں نہ تراشی جائیں اور نہ ادھر ادھر سے سن کر کسی تہمت کو بیان کیا جائے کیونکہ ہر وہ شبہ یا تہمت جو درحقیقت بے بنیاد ہو ایک معصیت ہے۔ دوسرا تقاضا یہ ہے کہ باہم تجسس نہ کیا جائے۔ تجسس کے معنی یہ ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے عیب ڈھونڈنے میں پڑے رہیں، یا ہر طرف راز درانہ باتوں کو سونگھتے پھریں یا مختلف مجالس کی سن گن رکھنے کے لیے سرگرم رہیں۔ یہ انتہائی معیوب اور نظم کے لیے تباہ کن حرکات ہیں۔ تیسرا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کی

غیر حاضری میں اس کی برائیاں بیان کر کے مزے نہ لیے جائیں۔ کیونکہ یہ فعل اتنا ہی گھناؤنا ہے جتنا یہ کہ آدمی کی غیبت کر رہا ہے اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کے کھائے۔ ان تقاضوں کو جتنا زیادہ پیش نظر رکھا جائے گا تحریک کی وحدت اور رفقا کی اخوت اتنی ہی مستحکم ہوگی اور نظم امر و طاعت ٹھیک طرح اپنا کام کرتا رہے گا۔

سورہ حجرات میں کچھ اور مضامین بھی ہیں جن کا تعلق جماعتی اخلاق سے ہے، جو لوگ چاہیں اس کے مضامین پر بطور خود غور کریں۔ یہاں صرف چند نمایاں ترین اخلاقی تقاضوں کو درج کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ اگر ہم تعلق باللہ کے اہتمام، جماعت کی پاس داری اور مذکورہ بالا مجلسی اخلاقیات کی پوری پابندی کے ساتھ میدان میں اترے تو پھر انشاءاللہ ناکامی کا ذرہ برابر بھی خدشہ نہیں ہوسکتا خدا اگر ہمیں ان تینوں تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق دے تو یقین کر لیجیے کہ ہماری پونجی جسے ہم گردش میں لا رہے ہیں، کئی گنا منافع لے کے لوٹے گی۔